مکتبہ وصیۃ العلوم الٰہ آباد

انسانیت کا وظیفہ

خود را شناس

صاحب السمیر المہذب نے "وَاجِبُ الْاِنْسَانَ نَحْوَ نَفْسِہٖ کے تحت ایک عنوان اَلْوَاجِبَاتُ الْاَدَبِیَّۃُ بھی قائم فرمایا۔ اس میں لکھتے ہیں کہ

(من الواجبات الادبیہ) ان یعرف قدر نفسہٖ لان افضل مزیۃ للانسان ھی ان یعرف نفسہ ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ وقد جاء فی الاثر.
"رَحِمَ اللّٰہُ امْرَ أ اعَرَفَ قَدر نفسہٖ

یعنی واجبات ادبیہ میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی قدر پہچانے اس لئے کہ بڑا اشرف انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا عارف ہو کیونکہ جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ چنانچہ اثر میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے نفس کو پہچانے۔

پھر مولف نے آگے اس اثر کی توضیح وتشریح فرمائی ہے۔ وھوہٰذا۔

ان یعرف مبلغ علمہ ومقدار مواھبہ العقلیۃ من ذکاء وفطنۃ وذاکرۃ وقریحۃ وقواہ الجسدیۃ والمادیۃ ومقامہ الا دبی و نفوذہ و مرکزہ فی الھیأۃ الا جتماعیۃ وبالاجمال یعرف کل صفاتہ ومزایاہ حتیٰ لا یکون مخدوعاً بحب نفسہ مغروراً بھا مدّعیا بمالیس فیہ ومن یقارن افعال المرء العارف قدر نفسہ بافعال الشخص المغرور المدعی ظھرت لہ

قيمة تلک المزية.

فالا ول يتكلم بما يعلم فيحترم والثاني يهرف بما لا يعرف فيحتقر و ذالک بدعي مافيه من المزايا فيحسن الظن به وهٰذا يدعي اكثر مما فيه فتكذبه شواهد الامتحان فيذل ويهان وذالک يسعي علي قدر علمه و طاقته فينجح وهٰذا يسعي فوق طاقته فيخذل ويفشل و ذاک يسعي عن علم وخبرة فينال علي قدر هما وهٰذا يخبط خبط عشواء فيخيب وهكذاتكون مساعي الاول في الغالب صائبة ومساعي الثاني خائبة.

والناس يميزون بلاشک بين افعال الاثنين فيمدحون الاول ويذمومن الثاني.

نفس کی قدر پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مبلغ علم کو جانے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے عقل میں جو ذکاوت وفطانت اور ذہن میں قوت حافظہ اور طبیعت میں جو تیزی اور جسم میں جو قوئ ودیعت فرمائے ہیں اسی طرح سے ادب نفس کا جو حصہ اور جماعت میں جو مرتبہ ومقام عطا فرمایا ہے ان سب کو پہچانے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اپنی جملہ صفات وخصال کو پیش نظر رکھے تا کہ حب نفس کا شکار ہوکر دھوکہ اور مغالطہ میں نہ پڑ جائے اس طور پر کہ اپنے کو کامل سمجھنے لگے اور جو چیزیں اس کو حاصل نہیں ہیں ان کا مدعی بن جائے اور جو شخص عارف نفس کے افعال میں اور اس مدعی مغرور اور فریب خوردہ کے افعال میں موازنہ کرے گا تو اسے معرفتِ نفس کا شرف وفضل معلوم ہوگا۔

کیونکہ جو شخص کہ نفس کا عارف ہوگا وہ تکلم اسی بات کا کرے گا جسے جانتا ہوگا جس کا انجام یہ ہوگا کہ اس کا احترام کیا جائے گا اور دوسرا شخص نہ جانی ہوئی بات کو بڑھا کر کہہ دے گا اور اس کی وجہ سے ذلیل ہوجائے گا اسی طرح سے پہلا شخص دعویٰ صرف انھیں خصال کا کرے گا جن کے ساتھ وہ متصف ہوگا چنانچہ اس کے ساتھ حسن ظن کیا جائے گا۔ اور یہ دوسرا انسان اپنے مرتبے سے زیادہ کا دعویٰ کرے گا۔

چنانچہ شواہد، تحان اس کو جھٹلا دیں گے اور وہ ذلیل وخوار ہوگا۔ اسی طرح سے اول شخص اپنے علم، طاقت کے بقدر ہی کسی امر میں سعی کرے گا جس کا انجام کامیابی ہے اور یہ شخص اپنی طاقت سے زیادہ کام میں پڑ جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ذلیل و ناکام ہوگا اسی طرح سے وہ پہلا شخص علم وبصیرت کے ساتھ کوئی کام کرے گا پس بقدر اپنے علم وبصیرت کے اپنا مقصود پالے گا اور یہ غیر عارف مثل چندھی اونٹنی کے ادھر اُدھر بھٹکتا پھرے گا لہٰذا اپنے مقصد میں ناکام رہے گا۔ اسی طرح سے عارف کی اکثر وبیشتر مساعی اور کوشش صائب اور درست ہوں گی اور اس غیر عارف کی مساعی خائب اور ناکام ہوں گی۔

اور لوگ یقیناً ان دونوں کے افعال میں تمیز کرلیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ کون عارف ہے اور کون غیر عارف۔ پس اول کی تعریف کریں گے اور اس کا احترام اور دوسرے کی مذمت کریں گے۔ (السمیر المہذب صفحہ۹)

علامہ علی فکری کی تشریح کا خلاصہ

مجھے علامہ علی الفکری کی یہ تشریح بہت پسند ہوئی اس لئے میں نے چاہا کہ اس کا خلاصہ بیان کردیا جائے تاکہ مختصری بات ہو اور یاد رہ سکے اس لئے میں نے ایک صاحب سے کہا کہ اس کا خلاصہ لکھو دیکھوں کیا لکھتے ہو تو انھوں نے جو لکھ کر دکھایا وہ پسند ہوا لیکن میں بھی ایک خلاصہ بیان کرتا ہوں پہلے ان صاحب نے جو لکھا تھا اس کو سنئے!

انھوں نے یہ لکھا تھا کہ معرفت نفس واجبات انسانیہ میں سے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ وہ کسی امر میں مستقل نہیں ہے۔ اگر اس کو اس چیز کی معرفت ہوگئی تو اس نے مرتبہ کمال کو پالیا اور اگر اس دار دنیا میں کسی نے خود کو مستقل جانا خواہ کافرون جیسا استقلال، یا فاسقوں جیسا استقلال تو اس نے اپنے نفس کو نہیں پہچانا اور بلاشبہ اس نے ایک اہم ترین واجب کو ترک کردیا۔ پس انسان کو اپنے کو عاجز، بے بس، جاہل اور غیر مستقل سمجھنا چاہئے، لیکن ہے یہ بہت مشکل چیز، باقی نفس کی خواہش کے مطابق اپنے کو عالم فاضل اور کامل سمجھ لینا بہت آسان ہے۔ (یہ خلاصہ تھا جسے ان مولوی صاحب نے بیان کیا تھا)

مصلح الامت کی تشریح

اب میں نے جو کہا اس کو سنئے!

میں نے علامہ علی الفکری کی آخری عبارت کا خلاصہ یہ سمجھا ہے کہ مصنف نے یہاں یہ بتانا چاہا ہے کہ انسان دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ کہ محق و محقق ہو اور دوسرا وہ جو مبطل اور مدعی ہو لہٰذا جو لوگ کہ افادہ اور افاضہ مس مشغول ہیں ان کو یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ یہ دیکھیں کہ جس منصب پر وہ فائز ہیں آیا اس میں وہ محقق اور صاحب بصیرت اور صاحب خبرت بھی ہیں یا نہیں کیونکہ جس قدر یہ شخص تحقیق بصیرت اور خبرت پر ہوگا اسی قدر اس کی سعی کامیاب ہوگی اور اس سلسلہ میں ایک بات اور سمجھنی چاہئے کہ جب کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے اور محنت و جانفشانی سے کرتا ہے تو وہ لوگ جن کے لئے یہ شخص اپنی جان کھپاتا ہے اس کو سمجھ لیتے ہیں اور اس کو دل سے مانتے ہیں اور اس کے معتقد ہوتے ہیں اور جو شخص دوسرے قسم کا ہوتا ہے یعنی مدعی مبطل یعنی صاحب بصیرت و خبرت نہیں ہوتا اس کو بھی لوگ سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں میں فرق کرتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے ۔

وجائزۃٌ دعوی المحبۃِ فی الھوی ولکن لا یخفی کلام المنافق

(عشق میں محبت کا زبانی دعویٰ تو (بہت آسان ہے اور) ہر ایک کے لئے ممکن ہے لیکن (حقیقت یہ ہے) کہ منافق کا کلام چھپا نہیں کرتا)

اس سے سمجھ لیجئے کہ جب عوام الناس ان دونوں میں فرق کر لیتے ہیں تو پھر عنداللہ ان دونوں میں کیوں فرق نہ ہوگا۔

خداع نفس و مکر خفی

یہاں علامہ فکری نے یہ جو فرمایا کہ

یَعْرِفُ کُلَّ صِفَاتِہٖ وَمَزَایَاہُ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ مَخْدُوْعاً بِحُبِّ نَفْسِہٖ مَغْرُوْراً بِھَا مُدَّعِیاً بِمَا لَیْسَ فِیْہِ.

یعنی انسان کو چاہئے کہ اپنی صفات اور اپنے خصال کو پہچانے تاکہ عجب و حب جاہ کا شکار نہ ہو جائے اور ایسی چیزوں کا دعویٰ نہ کرنے لگے جو اس کے اندر نہیں

ہیں۔ یہ خداع و مکر خفی ہے جس کے متعلق علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ابن عربیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

قال الشیخ واکثر المکر الخفی للمتا ولین ایات الصفات واخبارها وفیمن یبقیٰ علی حاله مع وقوعه فی المخالفات وفیمن یرزق العلم الذی یطلب العمل و یحرم العمل به او یرزق العمل ویحرم الاخلاص فیه فاذا رأیت یا اخی هذا الحال من نفسک او من غیرک فاعلم ان المتصف بذالک ممکور به واطال فی ذلک.

ثم قال فعلم ان الله تعالیٰ ما اخفی المکر الا علی الممکور به خاصة دون غیر الممکور به فان الله تعالیٰ ما اعاد الضمیر فی یعلمون الا علی الضمیر فی سنستدر جهم وقال ایضا ومکرو مکراً ومکرنا مکرا وهم لایشعرون فمضمر قوله هم هوا المضمر فی مکروا فکان مکرا الله تعالیٰ بهولاء هو عین مکرهم الذی اتصفوا به وهم لا یشعرون واطال فی ذالک ثم قال و کل من لا یدعوالی الله بصیرة وعلم یقینی فهو غیر محفوظ من المکرو ان کان هو صاحب اتباع والله تعالیٰ اعلم.

شیخ اکبرؒ نے فرمایا کہ یہ مکر خفی بالعموم ان لوگوں کو پیش آیا ہے جو آیات صفات اور احادیث صفات میں تاویلیں کرتے ہیں۔ اسی طرح سے ان لوگوں کو بھی پیش آتا ہے جو مخالف اعمال میں پڑنے کے باوجود اپنے حال پر باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح سے ان کو پیش آتا ہے جو ایسے علوم دیئے جاتے ہیں۔ جن سے عمل مطلوب ہوتا ہے اور وہ عمل سے محروم ہوتے ہیں یا عمل کی تو توفیق ہوتی ہے لیکن اخلاص سے محروم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اے میرے بھائی جب تم اپنا یہ حال دیکھو یا کسی دوسرے کو اس میں مبتلا پاؤ تو جان لو کہ جو شخص اس کے ساتھ متصف ہے وہ ممکور بہ ہے (یعنی مخدوع) ہے۔ اور اس سلسلہ میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔

پھر کچھ دور بعد یہ فرمایا ہے کہ پس یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مکر خفی نہیں فرماتے مگر

ممکور بہ کے ساتھ نہ کہ غیر ممکور کے ساتھ اس لئے کہ آیت سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ میں اللہ تعالیٰ نے یعلمون کے اندر ضمیر جو لوٹائی ہے وہ انھیں لوگوں کی جانب ہے جن کی جانب سَنَسْتَدْرِجُهُمْ میں ضمیر لوٹی ہے۔ نیز فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی مکر کیا اس حال میں کہ ان لوگوں کو اس کا شعور بھی نہیں ہوا۔ یہاں بھی هُمْ کی ضمیر کا مرجع بعینہٖ وہی ہے جو مکروا کی ضمیر کا مرجع ہے۔ پس گویا اللہ تعالیٰ کا مکر جو ان کے ساتھ ہوا وہ بعینہٖ وہی مکر ہے جس کے ساتھ یہ لوگ متصف ہوئے لیکن ان کو اس کا شعور نہیں ہے۔ پھر کچھ دور کے بعد فرمایا کہ ہر وہ شخص جو بصیرت اور علم یقینی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت نہ دے وہ مکر سے غیر محفوظ ہے اگر چہ اس کے ماننے والے کتنے ہی ہوں۔ واللہ اعلم

شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ داعین الی اللہ سب ایک قسم کے نہیں ہوتے بلکہ باہم متفاوت اور مختلف ہوتے ہیں بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ دعوت الی اللہ کا کام علی وجہ البصیرۃ والخبرۃ کرتے ہیں اور بعضے علم و بصیرت سے دعوت نہیں دیتے بلکہ یونہی اپنے طور پر دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں ایسے لوگ اگر چہ صاحب اتباع ہو جائیں اور کچھ لوگ ماننے بھی لگیں تاہم مکر و خداع نفس سے محفوظ و مامون نہیں ہیں اور اس کا سبب شریعت کی میزان کو ہاتھ سے چھوڑ دینا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے حفاظت کا طریقہ یہی ہے کہ شریعت کی میزان کو ہاتھ سے مضبوط پکڑا جائے اور اس سے اپنے ہر وقت کے حالات کو وزن کیا جائے اور اپنے جملہ اعمال و افعال کو اس پر منطبق کیا جائے۔

مصلح کی شان

آپ لوگ جانتے ہیں کہ دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تجربہ کار ایک غیر تجربہ کار جیسے طبیب تجربہ کار بھی ہوتا ہے اور غیر تجربہ کار بھی، تجربہ کار طبیب جڑی بوٹیوں کا علم حاصل کر کے مریضوں کے احوال و مزاج کے مطابق تجربہ کر کے تجربہ کار ہوتا ہے اسی طرح جو مصلح ہوتا ہے وہ شریعت کا علم حاصل کر کے لوگوں کے احوال و مزاج کو پہچان کر اصلاح و علاج کرتا ہے زمانے کے تغیرات اور احوال کے تطورات اور تقلبات سے باخبر ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو

تشخیص امراض روحانی کا ایک خاص ملکہ بھی حاصل ہوتا ہے اور طبیب سے زیادہ سرتاپا شفیق ومہربان اور ناصح امین بن کر لوگوں کی اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوتا ہے ایسا مصلح عارف ہوتا ہے۔ زمانہ کی رفتار کو جانتا ہے، ماحول اور گردو پیش کے حالات وکیفیات سے باخبر ہوتا ہے لوگوں کی نبض پر اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اپنے احوال وواردات کی خبر رکھتا ہے۔

اب جو کوئی نہ زمانے کو جانے نہ لوگوں کے احوال ومزاج کو پہچانے نہ اپنے گھر کی خبر رکھے اور نہ اپنے نقائص ہی سے باخبر ہو ایسے لوگ اگر اصلاح کریں گے تو کیا ہوگا بالکل ظاہر ہے۔

جو مصلح ہوتے ہیں وہ مذکورہ بالا اوصاف سے متصف ہوتے ہیں، زمانہ کی اچھائی اور برائی کو خوب جانتے ہیں۔ اور بڑے ہی بیدار مغز ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فرماتے تھے کہ ''مدرسہ بند کردو اسحاق کے بھروسہ نہ رہو اگر کوئی مدرسہ اٹھالے جائے گا تو ان کو خبر نہ ہوگی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نہایت بیدار مغز تھے۔ اب تو ایسا ہوگیا ہے کہ طالب علم استاذ ہی سے سیکھتا ہے اور اسی سے مقابلہ بھی کرتا ہے، جیسے انگریزوں کے شاگردوں کا حال ہے، جو کچھ سیکھا ہے وہ انگریزوں سے ہی سیکھا ہے اور پھر انگریزوں سے مخالفت بھی ہے انگریزوں کی ساری برائیاں اپنالیں اور جب موقع آئے گا تو اس کو انگریزوں کی برائیاں بتادیں گے۔ سارا عرب وعجم سب کے سب امریکہ اور برطانیہ کے شاگرد ہو رہے ہیں اور سب اس کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور انگریزوں کی برائیاں بھی بیان کرتے پھرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح ہمارا بھی حال ہوگیا ہے۔ شاگرد استاذ کی مخالفت کرتا ہے مرید پیر کی مخالفت کرتا ہے حالانکہ شاگرد ومرید نے جو کچھ سیکھا ہے وہ اپنے استاذ وپیر ہی سے سیکھا ہے۔ جب مدرسہ وخانقاہ کا یہ حال ہوجائے اور شاگرد ومرید ایسے ہوجائیں تو اصلاح کیسے ہوسکتی ہے۔ ع

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

(جب کعبہ ہی سے کفر اٹھے گا تو پھر اسلام کہاں رہ جائے گا)

آپ جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں اصلاح کا کام معمولی نہیں ہے۔ لوہے کا چنا چبانا ہے اور اپنے کو ہدفِ ملامت بنانا ہے مگر اہل اللہ اس کی پرواہ نہیں کرتے وہ تو منجانب اللہ مامور ہوتے ہیں جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ خود سمجھ لیں گے۔

جو لوگ جس کام کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوتے ہیں اس کام میں ان کو مہارت تامہ حاصل ہوتی ہے اور اس فن کے وہ امام ہوتے ہیں۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ کی تحقیق وتوضیح

علامہ فکریؒ نے شروع مضمون میں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کا مقولہ تحریر کیا ہے بے محل نہ ہوگا اگر یہاں اس کی کچھ توضیح کردی جائے۔ اس سلسلہ میں یہ سمجھئے کہ تصوف کی کتابوں میں یہ عنوان اکثر نظر سے گذرا ہے۔

چنانچہ الیواقیت والجواہر میں ایک مقام پر اس کو حدیث کشفی لکھا ہے وہذا نصہ۔

فان قلت فما معنى قوله صلى الله عليه وسلم فى الحديث الثابت كشفا من عرف نفسه عرف ربه فالجواب ان المعنى من عرف نفسه بما وصف به نفسه من كو نه له ذات وصفات وما اعطاه من علمه من استخلافه فى الارض يولى ويعزل ويعفو وينتقم ونحو ذالك ويحتمل ان يكون معناه ان يعرف نفسه بالا فتقار فى وجوده ويحتمل ان يكون المراد المعنيين معالا بد من ذالك. (اليواقيت)

پس اگر تم کہو کہ پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے جو کشفاً ثابت ہے یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو مع اس کی تمام صفات کے پہچان لیا۔ مثلاً یہ کہ اس کو علم حاصل ہے اور یہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے تولیت اور عزل کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، نیز عفو وانتقام کی بھی قدرت اس کو ہے جس نے یہ پہچان لیا تو یقیناً اس کو خدا کی معرفت حاصل ہوگئی۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس نے یہ سمجھ لیا کہ میرا نفس خود اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہے تو اس نے خدا کو پہچان لیا اور اس کا بھی

احتمال ہے کہ دونوں معنی بیک وقت مراد ہوں کیونکہ ان میں کوئی منافات نہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اس کو حضرت علیؓ کا قول فرمایا ہے۔

وفی کلام الامام علی رضی اللہ عنہ من عرف نفسہ عرف ربہ قال بعضھم ای لانہ لا یمکن لا حد معرفۃ نفسہ قط لان الحق تعالیٰ جعل النفس رتبۃ تعجیز لنا بیننا وبین معرفۃ ذاتہ کانہ تعالیٰ یقول اذا عجز الانسان عن معرفۃ نفسہ مع کونھا مخلوقۃ ومن اقرب الاشیاء الیہ فکیف بمعرفۃ من لا شبیہ لہ ولا نظیر ولا یجتمع مع عبادہ فی حد ولا حقیقہ. (الیواقیت صفحہ ۱۷۱ جلد ۲)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال میں سے من عرف نفسہٗ الخ بھی ہے تو اس کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ کسی شخص کو کبھی اپنے نفس کی معرفت نہیں حاصل ہوسکتی کیونکہ حق تعالیٰ نے نفس کو ہمارے اور اپنی ذات کے درمیان محض عاجز کرنے کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ اس سے انسان کا عجز معلوم ہوجائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب انسان خود اپنے نفس کی معرفت سے عاجز ہے جو اسی کی طرح ایک مخلوق ہے اور اس کے قریب بھی ہے تو بھلا اس ذات کی معرفت انسان کو کیسے حاصل ہوجائے گی جس کا نہ کوئی شبیہ ہے اور نہ نظیر اور انسان کے ساتھ نہ تو حقیقۃً مشابہ اور شریک ہے اور نہ اسماً۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی

اس سے خیال ہوا کہ اس مقولہ کی تحقیق کی جائے چنانچہ مراجعت کتب سے ملا علی قاریؒ کی کتاب موضوعات کبیر میں اس حدیث پر حسب ذیل کلام نظر سے گذرا۔ ہٰذا لفظہ۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ قال ابن تیمیہؒ موضوع قال السمعانیؒ انہ لا یعرف مرفوعاً انما یحکی عن یحییٰ بن معاذ الرازیؒ من قولہ وقال النوویؒ انہ لیس بثابت یعنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والا فمعناہ ثبت فقد قیل من عرف نفسہ بالجھل فقد عرف ربہ بالعلم ومن عرف

نفسه بالفناء فقد عرف ربه بالبقاء ومن عرف نفسه بالعجز والضعف فقد عرف ربه بالقدرة والقوة وهو مستفاد من قوله تعالیٰ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ای جهلها حیث لم یعرف ربها.

(موضوعات صفحہ ۸۶)

من عرف نفسہ الخ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ موضوع ہے۔ سمعانیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یحییٰ ابن معاذ رازیؒ کا قول ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ورنہ اس کے معنی تو ثابت ہیں، مطلب اس کا یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کا جہل پہچان لیا اس نے اپنے رب کے علم کی معرفت حاصل کرلی اور جسے اپنے نفس کے فناء کا علم ہوگیا اسے خدا کے بقاء کی معرفت حاصل ہوگئی اور جس نے اپنے کو عاجز اور کمزور سمجھ لیا اس کو اس کی معرفت حاصل ہوگئی کہ حق تعالیٰ ہی قوت اور قدرت والے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاھِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (اور ابراہیم کے مذہب سے کون روگردانی کرسکتا ہے بجز اس کے جس نے اپنے کو جاہل رکھا ہوا اور احمق بنالیا ہو) سے مستفاد سَفِهَ نَفْسَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ اس کو رب کی معرفت سے جاہل رکھا۔

علماء کے ان اقوال کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ گو یہ مقولہ ان لفظوں میں حدیث نہیں ہے تاہم مضمون اور معنی اس کے بالکل صحیح ہیں اور حدیث وقرآن کے نصوص کے عین مطابق اور ان سے مؤید ہیں۔ چنانچہ علماء نے ان کا اعتناء اور اہتمام کیا ہے اور اس کا خوب ہی خوب مطلب بیان فرمایا ہے۔

شیخ عبدالغنی رافعیؒ کی تشریح

صاحب ترصیع الجواہر لکھتے ہیں

قَدْ اَجْمَعَ الْعَارِفُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی مُتَرَتِّبَةٌ عَلٰی مَعْرِفَةِ النَّفْسِ فَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

(تمام عارفین کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اپنے نفس کی معرفت پر مرتب ہوتی ہے اس لئے کہ جو اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب کو بھی پہچان لیتا ہے)

پھر آگے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

قال فی نتائج الاسرار للسید مصطفیٰ العروسی مانصه من عرف نفسه وصفاتها با نها آثار الحق تعالیٰ وصفاته و رسوم اسمائه وصورها فقد عرف الحق ای من عرف ذالک عن شهود وذوق عن دلیل وبرهان کعلم علماء الرسوم والحاصل ان کل ماسوی الله تعالیٰ آثاره الناشیة عن افعاله فمن عرف ذالک کشفاً وذوقاً کما یاتی فی وحدة الافعال فقد عرف ربه. (انتہٰی ترصیع صفحہ ۶)

سید مصطفیٰ عروسی اپنی کتاب نتائج الاسرار میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے نفس اور اس کی صفات کے بارے میں یہ سمجھ لیا کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات اور صفات کے آثار ہیں اور انھیں کے اسماء کا پرتو اور عکس ہیں تو اس نے خدا کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے اس کو ذوقاً اور شہوداً پہچانا دلیل و برہان سے نہیں جیسے عام طور پر علماء ظاہر کا علم ہوتا ہے، حاصل یہ کہ تمام ماسوی اللہ حق تعالیٰ ہی کے آثار ہیں جو انھیں کے افعال سے پیدا ہوتے ہیں جس نے ان کو کشفاً و ذوقاً پہچان لیا جیسا کہ وحدت افعال میں ہوتا ہے تو اس نے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی تحقیق

اسی طرح سے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی بیان القرآن میں مسائل السلوک کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ قال العبد الضعیف هو اصل لقولهم من عرف نفسه فقد عرف ربه.

اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو، بندہ

کہتا ہے کہ یہی آیت اس قول کی اصل ہے جو من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا'' سے مشہور ہے۔ (بیان القرآن ص ۷۲ ج ۱)

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی

غرض ان تمام عبارات کے پیش کرنے سے مقصد یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مقولہ حدیث نہ سہی تاہم اس کے القائے ربانی ہونے اور بزرگوں کے الہامی قول ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، اس کا مضمون قرآن وسنت کے مطابق ہے باقی اس کی جو تقریر امام نوویؒ نے فرمائی ہے وہ بہت دل کو لگی جس کا حاصل یہ تھا کہ جس شخص نے اپنے نفس کو جہل کے ساتھ پہچان لیا یعنی اپنے آپ کو جاہل سمجھ لیا تو ضرور اس کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جائے گی کہ عالم حقیقی تو بس خدا ہے۔ اسی طرح جس نے اپنے فانی ہونے کو جان لیا اس کو یقین ہو جائے گا کہ باقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں اسی طرح جس نے اپنے عجز اور اپنے ضعف کو سمجھ لیا تو وہ جان لے گا کہ قوت اور قدرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے۔ اسی طور سے اپنے نفس کی معرفت مفضی اور مؤدی ہو جائے گی حق تعالیٰ کی معرفت کی طرف اور اب بلاشبہ صادق آجائے گا کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ. جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

علامہ نووی کی یہ شرح یوں بھی زیادہ پسند ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دعا کے عنوان سے یہی الفاظ ثابت ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِیْ رِضَاکَ ضُعْفِیْ.

یا اللہ میں ذلیل ہوں پس عزت دیجئے یا اللہ میں کمزور ہوں پس رزق دے مجھے یا اللہ میں کمزور ہوں پس قوت سے بدل دے اپنی مرضیات میں ضعف میرا۔

دیکھئے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے اپنے ذاتی فقر وضعف کا مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ ہی سے عزت ورزق وقوت کو طلب فرمایا ہے اور عزت وقوت کی صفات کو اللہ تعالیٰ

میں اصالۃً وحقیقۃً ثابت فرمایا ہے اور امت کو تعلیم فرمائی ہے کہ وہ بھی اپنا ضعف وفقر اور عجز دیکھ کر حق تعالیٰ کی قوت، رازقیت اور قدرت کے معرفت حاصل کریں۔

علامہ نووی نے یہ جو فرمایا کہ وَهُوَ مُسْتَفَادُ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ تو اس کی بھی تقریر کرتا ہوں سنئے۔

وہ یہ کہ اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو شخص سفیہ یعنی نفس سے جاہل ہوگا وہی ملت ابراہیمؑ سے اعراض کرے گا اس سے معلوم ہوا کہ جو نفس سے جاہل نہ ہو بلکہ اس کا عارف ہوگا وہ کبھی اس سے اعراض نہ کرے گا اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ انسان عارف نفس بھی ہوتا ہے پس مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ کا تو اثبات ہوگیا اب رہا دوسرا جز یعنی فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ تو اس کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ میں رغبت کا صلہ عن آرہا ہے جس کے معنی ہیں اعراض کرنے کے پس بطور مفہوم مخالف کے سمجھا گیا کہ جو سفیہ نہ ہوگا وہ اعراض نہ کرے گا اور اعراض نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں رغبت کرے گا دیگر ادیان باطلہ کو ترک کر کے ملت ابراہیمی کو اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل ہوگا اور اس کی معرفت حاصل کرے گا پس یہی مطلب ہوا عرف ربہ کا حاصل یہ کہ بزرگوں سے یہ مقولہ جو ثابت ہے تو یہ بطور منطوق کے حدیث میں گو نہیں آیا ہے تاہم بطور مفہوم کلام کے حدیث کیا قرآن سے ثابت ومستنبط ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔

☆☆☆